کا مطالعہ نہیں کیا۔ بلکہ اُن کی نظر فلاسفۂ و صوفیائے اسلام اور ساتھ ہی فلاسفۂ مغرب دونوں کے افکار و نظریات پر بھی ہے جو بڑی حد تک فکرِ اقبال کا ماخذ ہیں، علاوہ ازیں فلسفہ کے ساتھ انھیں شعر و ادب کا بھی پاکیزہ ذوق ہے جو شعر فہمی کے لیے ضروری ہے، اس بنا پر انھوں نے فلسفۂ اقبال کا تقابلی مطالعہ کر کے اُس کا تنقیدی جائزہ لیا اور اُس کی بھرپور تشریح و توضیح کی ہے، اگرچہ اقبال اور اُن کے شعر و فلسفہ پر مختلف زبانوں میں سیکڑوں کتابیں اور مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فلسفۂ اقبال کے تین اہم موضوعات کو ہی مدارِ بحث بنایا گیا ہے اور اگرچہ مقالہ نگار نے مطالعہ سب کچھ کیا ہے لیکن جہاں تک موضوعِ بحث سے متعلق اقبال کے افکار و آراء کا تعلق ہے اُس کا ماخذ انھوں نے بڑی حد تک مدراس کے خطبات کو قرار دیا ہے جو درحقیقت اقبال کے فلسفیانہ افکار کا شاہکار اور اسلام کی تاریخِ علوم و فنون میں ایک جدید علم الکلام کا اضافہ کرتے ہیں، خالص فنی ہونے کے باعث متوسط درجہ کی استعداد والوں کے لیے اُن کا سمجھنا آسان نہیں ہے، یہ مقالہ ان خطبات کو علی وجہ البصیرت سمجھنے میں بھی بڑی مدد دے گا۔
بہرحال یہ کوشش بڑی کامیاب اور قابلِ قدر ہے اور اس لائق ہے کہ فلسفہ کے اساتذہ اور طلباء اُس کا مطالعہ کریں۔

ISLAMIC SOCIAL FRAMEWORK

از پروفیسر ایم ریحان شریف، تقطیع متوسط ضخامت ۲۴۸ صفحات، ٹائپ جلی، قیمت مجلد آٹھ روپیہ۔
پتہ:۔ شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور۔ پاکستان۔

صرف ایک پاکستان نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کے سامنے آج سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ کیوں کر پیدا کیا جائے جو ایک طرف اسلامی نظامِ زندگی کی روایات و خصوصیات کا حامل ہو اور دوسری جانب عہدِ حاضر کے اقتصادی و سیاسی اور تہذیبی قدروں کے ساتھ ہم آہنگ ہو، اس کتاب میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، فاضل مصنف کا تعلق اُس معتدل طبقہ سے ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اسلامی دستورِ حیات کے اصول اور بنیادی قوانین ناقابلِ تغیر و تبدل ہیں اور ان کے تبدیل ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ اجتہاد کے ذریعہ شریعت کے جزوی احکام و قوانین (BYLAWS) میں جدید حالات و ضروریات کے

مطابق ترمیم صحیح ہوسکتی ہے اور وہ ہونی چاہیئے، ایک پودا یا درخت اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے لیکن اُس کے برگ وبار اور شاخوں میں کاٹ چھانٹ کا عمل برابر جاری رہتا ہے اور درخت یا پودے کی پائیداری کا راز یہی ہے۔ چنانچہ انھوں نے عہدِ حاضر کی تحریکات یعنی سرمایہ داری، کیمونزم، سوشلزم کا اسلامی نظام کے ساتھ مقابلہ و موازنہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ ان تحریکات کے زیرِ اثر دنیا نے معاشی صنعتی اور علمی و فنی اعتبار سے جو غیر معمولی ترقی کی ہے وہ انسان کی زندگی کے صرف ایک پہلو کی تکمیل کرتی ہے اور دوسرے اہم تر پہلو کو نظر انداز کردینے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ یکجہتی ترقی بھی انسان کے لیے مسرت و اطمینان کے بجائے تشویش و اضطراب کا باعث بن گئی ہے، یہ ہمہ جہتی ترقی اگر ہوسکتی ہے تو اسلامی آئیڈیالوجی کے ماتحت ہی ہوسکتی ہے، جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے وہ نیا نہیں ہے، کم و بیش ہر مسلمان صاحبِ قلم آج کل یہی لکھ رہا ہے۔ لیکن اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے خالص علمی اور فنی گفتگو کی ہے اور موجودہ معاشی نظام، منصوبہ بندی، اور ٹکنالوجیکل ترقیاتی پلاننگ میں جو اہم اور بنیادی خرابیاں ہیں اُن کا اقرار خود مفکرینِ مغرب کی زبان سے کرایا ہے، اس حیثیت سے یہ کتاب معلومات افزا بھی ہے اور فکر انگیز بھی اور اس لائق ہے کہ اس کا ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

گلشن راز جدید اور بندگی نامہ کا انگریزی ترجمہ: از جناب بشیر احمد صاحب ڈار۔ تقطیع متوسط، ضخامت ۷۷ صفحات، ٹائپ جلی، قیمت تین روپیہ: پتہ:- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، لاہور۔

یہ دونوں علامہ اقبال کی مشہور فارسی مثنویاں ہیں جو "زبورِ عجم" میں شامل ہیں۔ پروفیسر آربیری نے زبورِ عجم کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تو اُس میں یہ دونوں مثنویاں شامل نہیں تھیں اور اُس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اُن کا اصل مقصد انگریزی دانوں کو اقبال کے فارسی تغزل کے نئے آہنگ سے متعارف کرانا تھا۔ اب بشیر احمد صاحب ڈار نے ان مثنویوں کو بھی انگریزی میں منتقل کرکے زبورِ عجم کے انگریزی ترجمہ کی تکمیل کردی، گلشن راز جدید در اصل علامہ محمود شبستری کی گلشنِ راز کا جواب ہے شبستری نے یہ مثنوی ۷۱۰ھ میں ایک سائل کے بارہ[۱۲] سوالات کے جواب میں لکھی تھی، فلسفہ اور تصوف سے متعلق ہے شبستری نے جوابات اُس عہد کے مذاق کے مطابق دیے تھے، چنانچہ انھیں میں وحدت الوجود کا اثبات بھی تھا۔ اقبال نے اپنی مثنوی میں اس نظریہ کا پُر زور ابطال کیا ہے اور باقی دوسرے سوالات کے جوابات بھی بڑے بصیرت افروز دیے ہیں بندگی نامہ میں مسلم سماج کے زوال کا ماتم اور آزاد لوگوں سے اُن کا مقابلہ ہے، ترجمہ رواں اور شگفتہ ہے، پھر صرف ترجمہ نہیں بلکہ ہر صفحہ میں مفید حواشی بھی ہیں، شروع میں ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں شبستری کے عہد کا تذکرہ اور اُن کی اور اقبال کی مثنویوں کا تقابلی مطالعہ ہے۔